جناب اسرار عالم صاحب

اسلام اور اکیسویں صدی کا چیلنج

اِن دنوں بعض مخصوص الفاظ اور موضوعات زبان زد خاص وعام ہیں۔ کیا دانشور کیا عامی۔ ہر جگہ ان کے چرچے ہیں۔ مثلاً "اکیسویں صدی، نئی نسل، نئی قدریں، نیا زمانہ، پرانی نسل، پرانی قدریں پرانا زمانہ وغیرہ۔

حتیٰ کہ اب اس طرح کے الفاظ کی بازگشت ان حلقوں میں بھی نامانوس نہیں جنہیں ہم علوم اسلامی کا حلقہ کہہ سکتے ہیں۔ بلاشبہہ دیگر افراد اور حلقوں سے جو بات یہاں مختلف نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں یہ گفتگو یا بحث عموماً اسلام کے لاحقے یا سابقے کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔

بعض سوالات نہایت درجہ سنجیدگی سے پوچھے جاتے ہیں۔ مثلاً نئی صدی آرہی ہے نئی نسل کو کیا کرنا چاہیئے؟ نئی نسل اور نئی صدی کے لیے کیا لائحہ عمل ہو؟ اکیسویں صدی میں داخل ہونے کے لیے کیا کیا تیاری ضروری ہے؟

جو افراد روایتی ملّی احساس زیادہ رکھتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ نئی صدی میں داخلے کے لیے مسلمانوں اور مسلم ملکوں کے پاس کیا کیا ہونا چاہیئے؟ ابھی تک ہم کیا کیا حاصل کر چکے ہیں اور مزید کیا درکار ہے؟ کن کن شعبوں میں ہم پس ماندہ ہیں اور اسے دور کرنے کے لیے ہمیں کیا کیا کرنا ہے؟

ان سوالات و اضطرابات اور ان کے پس منظر پر جس قدر غور کیا جاتا ہے یہی بات نظر آتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے ہزار درجہ جذبۂ مخلصانہ کے باوجود اس فکر میں تقالی کم نگاہی یا سطحیت کارفرما ہے۔ کیونکہ بیسویں صدی سے اکیسویں صدی کی مذکورہ فکر اور اس کے لوازمات دراصل اُس اساس پر قائم ہیں جس کا ظہور عصر حاضر میں نشاۃ الثانیہ کے نام سے مشہور ہے جس کے تحت انسان من حیث النوع جہل سے علم اور تاریکی سے روشنی کی طرف گامزن ہے۔ یہ فکر اپنی روح کے اعتبار سے جاہلی ہے۔ اور اس کی وہ جاہلیت خالصہ ہے جس کے تحت

۱۔ حیاتِ انسانی روئے زمین پر مادے کی غیر معمولی، لامعلوم مگر اتفاقی اور حادثاتی عمل کا نتیجہ ہے اس میں کسی خالق یا صناع کی کاریگری اور منشاء کا کوئی دخل نہیں۔ یہ ایک آزاد، بے لگام اور بے سنگ و میل

سفر ہے ۔ ماضی اور مستقبل کی یکساں لامعلوم تاریکیوں کے مابین ۔

۲ ۔ انسانی عقل فیصلہ کرنے، خیر وشر کے مابین آزادانہ تمیز کرنے، مفید و غیر مفید کے مابین فرق کرنے، اور اپنے لیے قدریں متعین کرنے کے اعتبار سے کافی ہے اور یہ عقل عقل کل کا حکم رکھتی ہے ۔

بلا شبہ یہ جاہلی فکر کوئی نئی چیز نہیں ۔ ربانی فکر کے مقابلے میں شیطانی فکر ہمیشہ سے موجود رہی ہے ہاں عصر حاضر میں اس کا ظہور جدید نشاۃ الثانیہ کہلاتا ہے جو اب گویا نقطۂ کمال تک پہنچ رہا ہے ۔

بلاشبہ قابلِ غور ــــ اور بے حد تشویش ناک ۔ وہ فتنۂ جدید ہے جو ان افراد و اجتماعیات کے درمیان سر اُبھار رہا ہے یا جس کا قوی اندیشہ ہے جو اس بات کا عزم لے کر اٹھے ہیں کہ مغرب کے طاغوتی نظام کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکیں گے ۔ اکیسویں صدی اور اس کی تیاریوں سے متعلق بعض علمی و دینی حلقوں میں صدائے بازگشت دراصل اسی کی غمازی کرتی ہے ۔ اس سے اس بات کا اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں کہ جاہلیت خالصہ کی فکر اور اس کی ہمہ گیری کس درجۂ کمال کو پہنچ رہی ہیں کہ دوست تو دوست اب دشمن بھی وہی راگ الاپ رہے ہیں ۔ کبھی کبھی انسان دشمن سے طویل عرصے تک لڑتے لڑتے یا اس سے صد درجہ مرعوب ہو جانے کے سبب ــــ (بلا شبہ لاشعوری طور پر) دشمن کی طرح سوچنا، چلنا، بولنا اور لڑنا شروع کر دیتا ہے ۔ اور یہ بھول جاتا ہے کہ فی الواقع اس کی کوئی الگ سوچ، بولی اور چال ڈھال تھی ۔

یہ فتنۂ جدید دراصل سوچ کی وہ رو ہے جس کے تحت "اسلامی افراد اور اجتماعیات مغربی جاہلی نظام اور اس کی اساس میں جاہلی قدروں کی مخالفت اور انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی عملی جدوجہد میں جاہلی نظام کی ظاہری عمارت کو ڈھا کر اس کے آثار اور اس کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکے بغیر (لاشعوری طور پر) انہیں قدروں کی بنیادوں پر اسلامی نظام کو استوار کرنے کی عملی جدوجہد کی طرف پیش قدمی کرنے لگی ہیں یا اس کا ارادہ رکھتی ہیں ۔"

بظاہر یہ علامت ہے ترقی معکوس کی ۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ

ــ　گفت رومی ہر بنای کہنہ کا بادان کنند
می ندانی اوّل آن بنیا در ا ویران کنند

ظاہر ہے اس کا لازمی نتیجہ وہی سب کچھ ہو سکتا ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

ع　کیں رہ کہ می روی بترکانست

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کیونکر ہوا؟ آخر اس کے اسباب کیا ہو سکتے ہیں؟
اس سلسلے میں فی زمانہ تین ہی باتیں نظر آتی ہیں جنہیں اسباب قرار دیا جا سکتا ہے ۔

(۱) تمسک بالکتاب والسنۃ کا حق ادا نہ ہونا۔

دور سے خوش گمان ہونے، حسن ظن کے ساتھ کسی قول و عمل کی غیر ضروری تاویل کرنے کی بجائے نزدیک جا کر بنظر غائر دیکھنے اور پرکھنے سے یہ بات بسا اوقات سامنے آتی ہے کہ عصر حاضر میں بعض ملکوں کی تحریکات اسلامی میں تمسک بالکتاب والسنۃ کے مطلوبہ معیار کا لحاظ رکھنے کے تعلق سے کوتاہی ہو رہی ہے۔ اور بعض تحریکی افراد و اجتماعیات اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے مخلصانہ ہی سہی مگر عصر حاضر کی بعض بظاہر غیر معمولی موثر چیزوں، باتوں، کارکردگیوں اور اداروں سے متاثر ہو کر کتاب و سنت اور اس کے احکامات کے تعلق سے دور از کار تاویلات کر کے ہدایت حاصل کرنے کی طرف مائل نظر آتی ہیں نتیجتاً بہت سارے استنباط اور انطباقات نہایت درجے سطحی ہوتے ہیں جو مناسب نہیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردٌّ" (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رض روایت کرتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہمارے اس امر (دین) میں جس نے کوئی ایسی بات پیدا کی جو اس (دین) میں سے نہیں تو وہ (قابل) رد ہے۔"

اور امام مسلم روایت کرتے ہیں۔

مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَیْسَ عَلَیْہِ فَھُوَ رَدٌّ۔

مغرب کی نقالی میں دور از کار تاویلات کی جاتی ہیں۔ استصلاح اور اجتہاد کی جا اور بے جا دہائی دی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے یا کم از کم سمجھا جاتا ہے کہ عہد نبوی سے طویل بُعد زمانی کے سبب کسی حکم پر روح کے اعتبار سے عمل کرنا تو ممکن ہے یعنی (IN SPIRIT) تو عمل ہو سکتا ہے لیکن لفظاً بہ لفظ یعنی (VERBATIM) عمل محال ہے درآنحالیکہ بُعد زمانی اور تبدیلی شئون کے باوجود عہد نبوی سے آج تک اور آج سے تا قیامت زمان و مکان میں تبدیلی تو ممکن بلکہ لازمی ہے لیکن وہ تبدیلی بنیادی نوعیت کی نہیں ہو گی اور نہ ہو سکتی ہے۔ بنیادی تبدیلی سے مراد صورتحال کا وہ انقلاب ہے کہ نظام عدل (قرآن و سنت) اپنی مجملات اور تفصیلات میں (IN SPIRIT یا IN WORDS) ناممکن العمل ہو جائے۔

حضرت جابر رض سے امام مسلم روایت کرتے ہیں۔

بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَۃَ کَھَاتَیْنِ

ترجمہ: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری

ويقرن بين اصبعيه	بعثت اور قیامت یوں ہیں۔ اور آپ نے اپنی
السبابة والوسطى	دونوں انگلیوں کو ملایا یعنی بیچ کی انگلی اور
(صحیح مسلم کتاب الجمعہ)	شہادت کی انگلی کو)

جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس پوری مدت میں استمرار زمان تو ممکن ہے لیکن اسے کسی حیثیت سے بنیادی تبدیلی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہو جاتی ہے جیسے حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں۔

كان الاعراب اذا قدموا	ترجمہ: ایک دفعہ کچھ اعرابی آئے اور رسول اللہ
على رسول الله صلى الله عليه	صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے واقع
وسلم سألوه عن الساعة	ہونے سے متعلق سوال کرنے کہ وہ کب آئے گی۔
متى الساعة، فنظر الى احدث	آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے سب
انسان منهم فقال ان يعش	سے جوان شخص کی طرف دیکھا اور فرماتے
هذا لم يدركه الهرم	کہ اگر یہ شخص جیتا رہا تو بوڑھا ہونے سے
قامت عليكم ساعتكم۔	قبل دیکھے گا کہ تم لوگوں پر تمہاری قیامت
(مسلم کتاب الفتن باب قرب الساعۃ)	قائم ہو گئی ہے۔

غالباً یہی سبب ہے کہ امام بخاری مذکورہ بالا حدیث روایت کرنے سے قبل باب باندھ کر ایک مخصوص آیت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

باب قول النبي صلى الله عليه وسلم	ترجمہ: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: میری
بعثت انا والساعة كهاتين	بعثت اور قیامت یوں ہیں (یعنی ان دو
وما امر الساعة الا كلمح	انگلیوں کی طرح قریب ہیں) اور قیامت
البصر او هو اقرب إن الله	کا معاملہ بس ایسا (جھٹ پٹ) ہوگا جیسے
على كل شيء قدير	آنکھ جھپکنا بلکہ اس سے بھی جلدی۔
(بخاری: کتاب الرقاق باب بعثت انا والساعۃ کھاتین)	بیشک اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

مزید ازیں احادیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اس مدت میں کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل ممکن ہے یا نہیں۔ ممکن ہے تو کس درجے میں عدم تعمیل کی خواہ لفظاً ہو یا معناً گنجائش ہے تو کس قدر۔ اور یہ کہ کس قدر انحراف بھی قابل مواخذہ ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں۔

ویقول: اما بعد، فان خیر الحدیث کتاب اللہ، وخیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا، وکل بدعۃ ضلالۃ....
(صحیح مسلم کتاب الجمعہ)

ترجمہ: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اما بعد سب سے بہتر قول کتاب اللہ یعنی قرآن ہے اور سب سے بہتر قول ہدایت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت ہے اور سب سے بُری بات اس میں نئی بات پیدا کرنا ہے اور ہر نئی بات یعنی بدعت گمراہی ہے۔

لہٰذا خود قرآن وسنت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ قرآن وسنت ہی معیار خیر وشر ہیں۔ اور ان کے زاویہ (ENGLES) اور ابعاد (DIMENTIONS) میں کوئی فرق ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینات من الھدی والفرقان
(البقرہ ۱۸۵)

ترجمہ: رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے (ذریعہ) ہدایت ہے۔ اور حق وباطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔

لہٰذا یہ بات قطعاً صحیح نہیں کہ بعد زمانی کے سبب دین کے جملہ احکامات پر لفظاً اور معناً (IN WORDS AND IN SPIRIT) عمل ممکن نہیں۔

بلاشبہ تبدیلیٔ شئون اور غلبۂ طاغوت کے سبب اسلام پر عمل مشکل تو ہوسکتا ہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں اشارہ فرمایا ہے

قال العبادۃُ فی الھرج کھجرۃ الیَّ

ترجمہ: ہرج (فتنہ) کے وقت عبادت میری طرف ہجرت کی طرح ہے۔

(صحیح مسلم۔ کتاب الفتن باب فضل العبادۃ فی الھرج)

لیکن دین کے جملہ امور پر عمل حیطۂ امکان سے باہر نہیں ہوسکتا۔ اور جب تک دین حیطۂ امکان سے باہر نہیں انسان اس کا مکلف ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی نے انسانی زندگی کو انفرادی اور اجتماعی ہر اعتبار سے پیچیدہ تر بنا دیا ہے اور معاشرت، معاشیات، سیاسیات غرض جملہ پہلو ہائے زندگی میں اتنی وسعت اور پیچیدگی واقع ہوگئی ہے کہ قرآن وسنت کی اتنی کی جانے والی تشریحات، تفسیرات، تطبیقات

اور تعمیلات عموماً ان کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔

اگرچہ یہ بڑی جسارت کی بات ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ عہد حاضر میں بیشتر معاملات ایسے ہیں جن سے متعلق قرآن وسنت کی رہنمائی تو دور اجماع صحابہ یا اجماع سلف تک مفقود ہیں لہٰذا اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ نہ صرف یہ کہ تمام معاملات پر از سر نو غور کیا جائے اور "اجتہاد" کیا جائے بلکہ دین کے اصول وفروغ میں عہد نبوی سے اب تک چلے آرہے متفق علیہ تعبیرات پر بھی از سر نو غور کیا جائے۔

جہاں تک قرآن وسنت کے اساس ہونے کی بات ہے تو وہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت تک اساس ہے اور جہاں تک قرآن وسنت سے استعانت اور استفادہ کی بات ہے تو کسی امر کے سلسلے میں حکم ملنے کی صورت میں من چاہی تاویل کی گنجائش نہیں اور سر بسر تسلیم کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں اور حکم نہ ملنے کی صورت میں تخریج مناط، تنقیح مناط اور تحقیق مناط کا دروازہ نہ کل بند تھا اور نہ آج بند ہے۔

۲ - عجلت پسندی

اس فتنۂ جدید سے متاثر ہو جانے کے پیچھے دوسرا سبب عجلت پسندی نظر آتا ہے۔ بعض اوقات عجلت کے پیچھے شدّتِ شوق کا معصومانہ جذبہ کار فرما ہوتا ہے۔ شدّتِ شوق بجائے خود کوئی بُری شئے نہیں لیکن بعض اوقات شدّتِ شوق بے لگام ہو جاتی ہے اور انسان یا جمعیتیں اپنے فیصلے ایسے امور کو مدنظر رکھ کر کرنا شروع کر دیتی ہیں جو حقائق کے بجائے مفروضے ہوتے ہیں اور محض شدتِ شوق ان کی ایسی تعبیر کرتی ہے کہ وہ حقائق نظر آنے لگتے ہیں۔ لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ کبھی جرأت واستقامت کی کمی، عزیمت سے فرار اور کبھی دلوں کے امراض عجلت پسندی کی طرف اس طرح مائل کرتے ہیں کہ انسان شدتِ شوق کی تصویر نظر آتا ہے۔

ایک عجلت پسندی تو وہ ہے جو معصومانہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اُسے یہ بات زیادہ پسندیدہ ہے کہ اس کے بندے صبر اور استقامت سے کام لیں اور عجلت پسندی سے باز رہیں خواہ وہ عجلت پسندی اس اعتبار سے ہو کہ اہلِ حق اپنی دعوت وتبلیغ کو اتمام حجت قرار دیتے ہوئے عذاب کی تمنا کرنے لگیں جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل ولا تستعجل لھم۔ (الاحقاف ۳۵)

ترجمہ: پس اے نبیؐ صبر کرو جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے جلدی نہ کرو۔

یا اس اعتبار سے ہو کہ اہلِ حق طاغوت کے جبر وتشدد سے اس قدر پریشان ہو جائیں کہ نصرت

کی تمنا کرنے لگیں۔ جیسا کہ حضرت خباب ابن الارت نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی۔

اَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا اَلَا تَدْعُوْ لَنَا۔ ترجمہ: اے اللہ کے رسولؐ کیا آپؐ اللہ سے ہمارے لیے نصرت طلب نہیں کریں گے۔ کیا آپؐ اللہ ہمارے لیے دعا نہیں فرمائیں گے۔

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دلاسا دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

واللہ لیتمن ھذا الامر حتی	ترجمہ: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ وہ اس کام
یسیر الراکب من صنعاء الی	کو ضرور پورا فرمائے گا یہاں تک کہ (تم دیکھو گے)
حضرموت لا یخاف	کہ ایک سوار صنعا سے حضرموت تک چلا جائے
الا اللہ والذئب علی غنمہ و	گا اور اسے کسی کا خوف نہیں ہوگا سوائے اللہ
لکنکم تستعجلون۔	اور بھیڑیے کا کہ مبادا وہ ان کی بکریوں پر
(بخاری کتاب الاکراہ)	حملہ آور ہو لیکن تم لوگ جلدی کر رہے ہو۔

تو دوسری عجلت پسندی وہ ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے قبیح ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں فرماتا کہ اس کا بندہ اس میں مبتلا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فلا تھنوا وتدعوا الی السلم	ترجمہ: سو تم ہمت مت ہارو اور صلح کی
وانتم الاعلون (محمد ۳۵)	طرف مت بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس عجلت پسندی کا تعلق دلوں کے روگ سے ہے لہٰذا وہ اسے کھول کر بیان فرما دیتا ہے: ارشاد ہے۔

انما الحیوٰۃ الدنیا لعب و	ترجمہ: یہ دنیا کی زندگی لعب اور لہو ہے اگر تم
لھو وان تومنوا وتتقوا یوتکم	ایمان رکھو اور تقویٰ کی روش پر چلتے رہو
اجورکم ولا یسئلکم اموالکم[1]	تو اللہ تمہارے اجر تم کو دے گا اور وہ
(محمد ۳۶)	تمہارے مال تم سے نہ مانگے گا۔

---

[1] شیخ زادہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"بین تعالیٰ ان الدنیا وما فیھا من الخطوط العاجلۃ، لا یصلح مانعاً من الاقدام الی الجھاد وما یؤدی الی ثواب الآخرۃ، لکونھا بمنزلۃ اللھو واللعب فی سرعۃ زوالھا، وان الآخرۃ ھی الحیاۃ الباقیۃ، فلا ینبغی ان یکون حب الدنیا وحرص علی ما فیھا من اللذات والشھوات سبباً للجبن من الغزو والتخلف عن الجھاد" (حاشیۃ شیخ زادہ علی البیضاوی ۳/۳۵۲)

اللہ تعالیٰ اس عجلت پسندی کو ارتداد قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الذین ارتدّوا علیٰ ادبارھم من بعد ما تبین لھم الھدیٰ الشیطٰن سوّل لھم و املیٰ لھم۔ (محمد ۲۵)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد اس سے پھر گئے ان کیلئے شیطان نے اس روش کو سہل بنا دیا ہے اور جھوٹی توقعات کا سلسلہ ان کے لیے دراز کر رکھا ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ سچے مومنین منافقین کی اس روش سے باز رہیں اور عجلت پسندی کے اس مظاہرے سے خود کو دور رکھیں۔ وہ تنبیہہ فرماتا ہے۔

ولا تبطلوا اعمالکم (محمد ۳۲) ترجمہ: اور اپنے اعمال کو برباد نہ کر لو۔

لہٰذا حکم ہوتا ہے کہ ڈٹے رہو اور بودے نہ بنو۔

فلا تھنوا وتدعوا الی السلم

(۳) معاصر طاغوتی افکار سے مغلوبیت

فتنۂ جدید میں آلودگی کا تیسرا سبب ھدی للناس پر یقین اور عقیدہ ہونے کے باوجود بینٰت من الھدیٰ والفرقان میں رسوخ نہ ہونا ہے جو معاصر طاغوتی افکار، رجحانات، حکمت عملی اور روش سے مغلوبیت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ مداہنت کا ظہور اور رواج پانا ہے۔ عہد حاضر میں مغربی افکار، رجحانات، حکمت عملی اور ان کے اداروں سے مرعوبیت وہ شے ہے جسے طاغوتی افکار سے مغلوبیت کا نام دیا جا سکتا ہے۔

تحریک اسلامی کے بعض افراد اور ایسے افراد پر مشتمل بعض حلقے مغربی افکار و نظریات تہذیب و ثقافت، قوت و ٹکنالوجی وغیرہ سے کچھ اس درجہ مغلوب ہیں کہ اپنی عملی زندگی میں مغرب کی بظاہر مخالفت کرتے ہوئے بھی ان کے دلوں پر مغرب کا سحر چھایا ہوا ہے اور وہ مغربی افکار، تہذیب و ثقافت، قوت ٹکنالوجی اور اداروں کو اسلامی لبادہ اوڑھا کر بلا کم و کاست درآمد کر لینے کو ہی اسلامی تحریک کا نصب العین سمجھتے ہیں۔ ان کے دلوں کی یہ سحر زدگی بعض اوقات انہیں جس تبدیلی کے لانے کی طرف لے جاتی ہے یا جس درجہ کی تبدیلی پر انہیں بس کرنے اور قانع ہو جانے پر آمادہ کر لیتی ہے وہ جاہلیت خالصہ کو اسلامی جیسا لباس میں پیش کرنے کے سوا کچھ اور نہیں۔

وہ بیشتر افراد جو نئی نسل، اکیسویں صدی اور اسلام کے تعلق سے آج کل عموماً بحث کرتے نظر آتے ہیں ان میں اکثر شعوری یا لاشعوری طور پر اسی ذہنیت سے متاثر ہیں۔ وہ اس عنوان کے تحت پہلے

تو مغربی اقوام کی مادی اور فنی ترقی کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں پھر اپنی صفوں کا جائزہ لیتے ہیں پھر مغرب سے ہم رتبگی کی تمنا رکھتے ہوئے مسلمانوں مسلم اجتماعیات اور ملکوں کو اسی بام تک لے جانا چاہتے ہیں اور بزبان حال الیکٹرونک اور کمپیوٹرائیج کی بات کرتے ہیں۔ ہاں اسلام کی مناسبت سے کوئی ایسی لم ضرور لگا دینا چاہتے ہیں جس سے طاغوتی ترجیحات کے مطابق پھولے ہوئے جسم کا مسلمان ہونا بھی دکھائی دے۔

انسانی تاریخ میں یہ کوئی نیا واقعہ نہیں۔ کبھی یہ جذبہ لاشعوری اور معصومانہ ہوتا ہے تو کبھی شعوری اور جاہلانہ۔

معصومانہ جذبے کے ساتھ اس روش کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے جسے ترمذی شریف میں بیان کیا گیا ہے۔

عن ابی واقد اللیثی اَنَّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم لمّا خرج الی غزوۃ حنینٍ مرّ بشجرۃٍ للمشرکین کانوا یعلّقون علیھا اسلحتھم یقال لھا ذات انواط فقالوا یا رسول اللہ اجعل لنا ذات انواطٍ کما لھم ذات انواطٍ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ ھٰذا کما قال قوم موسیٰ اِجعل لنا الٰھاً کما لھم اٰلِھۃ والّذی نفسی بیدہ لترکبنّ سنن من کان قبلکم

(رواہ الترمذی)

ترجمہ: ابو واقد اللیثی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ حنین کے لیے نکلے تو ان کا گزر مشرکوں کے (علاقے میں ایک) درخت سے ہوا جس پر ان لوگوں نے اپنے اسلحے لٹکا رکھے تھے جسے وہ ذات انواط کہتے تھے تو اصحاب میں سے بعض نے کہا: یا رسول اللہؐ ہمارے لیے بھی ایک ذات انواط بنوا دیجئے جیسا کہ ان کے پاس ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا۔ سبحان اللہ! یہی وہ بات تھی جسے موسیٰؑ کی قوم نے کہا تھا کہ (اے موسیٰؑ) ہمارے لیے بھی ایک الٰہ بنا دے جیسا کہ ان کے پاس ہے۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم لوگ ضرور اگلوں کے نقش قدم پر چل کر رہو گے۔